© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یوں تو پوری دنیائے اسلام مدتِ دراز سے انحطاط کا شکار ہے لیکن بیس پچیس سال سے اس انحطاط کے جو روح فرسا واقعات سامنے آ رہے ہیں وہ اپنے اندر عبرت کے بے شمار پہلو رکھتے ہیں۔ دُور نہ جائیے صرف پچھلے ایک دو ماہ کے حوادث پر نگاہ ڈالیے تو آپ کو مسلمانوں کے انتشار اور کس مپرسی کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

افریقہ میں نائجیریا کے شمالی صوبے کے نیک دل اور خدا ترس وزیر اعظم الحاج احمد و بیلو کی مظلومانہ شہادت کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ اخبارات میں گنی کے صدر شیخ طورے کی دریا دلی کا تذکرہ شائع ہوا جس کے تحت انہوں نے ایک رُسوائے زمانہ عیسائی آمر کو جس کی اب ساری دلچسپیاں اشتراکیت سے وابستہ ہیں، پُورے ملک کی قسمت طشتری میں رکھ کر نذرانے کے طور پر پیش کر دی اور یہ سخاوت کرتے وقت انہوں نے نہ تو اپنی قوم کو اعتماد میں لینا مناسب سمجھا اور نہ حالات و واقعات پر کوئی نگاہ ڈالنا ضروری خیال کیا۔ ابھی اس وحشتناک خبر کی سیاہی خشک نہیں ہونے پائی کہ یہ اطلاع سننے میں آئی ہے کہ انڈونیشیا کے مردِ آہنی سکارنو اپنے سارے اختیارات برّی فوج کے کمانڈر کو سپُرد کرنے پر مجبُور ہو گئے ہیں اور ملک کا پُورا نظم و نسق کمانڈر صاحب نے سنبھال لیا ہے۔

اس وقت دنیائے اسلام جس تیزی کے ساتھ زیر و زبر ہو رہی ہے اُسے ایک وقتی اور اتفاقی حادثہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرے تک جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں وہ ایک زبردست طوفان کی زد میں ہیں اور انہیں کہیں بھی چین اور آرام سے جینا نصیب نہیں ہو رہا۔ یہ اندوہناک صورتِ حال اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم ان اسباب کا کھوج لگائیں جن کی وجہ سے دنیائے اسلام پر یہ عذاب نازل ہو رہا ہے۔

ایک مؤرخ نے مسلمانوں کے عروج و زوال پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ قوم جب دنیا کو فتح کرنے کا عزم لے کر اٹھی تو اس کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اور دوسرے میں تلوار۔ کچھ مدت تک تو اس نے قرآن کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات کے مطابق قوت و اقتدار کو جس کی تلوار علامت ہے، بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کیا لیکن پھر دنیا کی محبت دین پر غالب آگئی اور اس نے قرآن کو چھوڑ کر دنیاوی مال و متاع سمیٹنا شروع کر دیا۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں تلوار رہ گئی اور دوسرے میں اقتدار کی دولت۔ کچھ مدت تک یہ صورت قائم رہی اور اس نے تلوار کے بل بوتے پر دنیا کو سرنگوں رکھا مگر کوئی بلند نصب العین سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بازو جلد ہی شل ہو گئے اور وہ میدان میں تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ اسلام کو تو وہ دنیا کے لالچ میں پہلے ہی خیرباد کہہ چکی تھی اب قوت و طاقت نے بھی جواب دے دیا اور اس طرح یہ زوال کا شکار ہوئی۔

اس مؤرخ کے ذہن میں اسلام کے خلاف جو تعصب ہے غالباً اسی کے زہریلے اثرات کے تحت اس نے قرآن اور تلوار کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اگر اس کے اس طرزِ فکر کو نظر انداز کر کے اس کی صحیح صورت سامنے لائی جائے تو مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان ہمیں یوں نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک حیات آفریں اور انسانی فلاح و بہبود کے ایک ہمہ گیر اور وسیع تصور سے لذت آشنا ہو کر، دنیا کے سینے پر ابھری۔ اس تصور نے اس کے اندر زندگی کی حرکت اور حرارت پیدا کی، اپنی صلاحیتوں کو تعمیری راہ پر لگانے کا ولولہ بیدار کیا اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اندر اس امنگ کو جنم دیا کہ عظمت و حکمت کے جن لازوال سرچشموں سے وہ فیض یاب ہو رہی ہے، اُن سے دوسری قوموں کی کشتِ ویراں کو بھی سیراب کرے اور اس نیک اور پاکیزہ مقصد کی راہ میں اگر کوئی باطل قوت حائل ہو اور وہ سیدھے طریق سے راستہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو تو پھر اُسے قوت سے ہٹا دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر رفقائے کار نے (اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو نور سے بھر دے) قوت و اقتدار کو کبھی مطلوب و مقصود نہ ٹھہرایا تھا بلکہ اسے نصب العین کے حصول کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ہی قرار دیا۔ ان کا نصب العین بلکہ غایت الغایات ہمیشہ ایک ہی رہی کہ کسی طرح دینِ حق دنیا میں سربلند ہو اور اس کی راہ میں مفاد پرست افراد یا گروہ جو رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں انہیں راستہ سے ہٹا دیا جائے یا انسانیت پر اپنی کبریائی قائم کرنے والوں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنا کر نوعِ بشری کو خدائے برتر کی غلامی قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

بدقسمتی سے یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ مسلمانوں نے قوت و طاقت کے سرچشمے سے مُنہ موڑ لیا اور جاہ و مال اور قوت و اقتدار کو زندگی کا اصل مقصد قرار دے کر زندگی بسر کرنا شروع کی۔ فکر و نظر کی تبدیلی معاشرے کے مختلف طبقات میں مختلف حیثیت سے نمودار ہوئی۔ جو لوگ اقتدار کے رسیا تھے انہوں نے اپنی ساری توجہ اس کے حصول اور حفظ و بقا کے لیے صرف کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں قوت کا حقیقی سرچشمہ کسی پاکیزہ اور بلند نصب العین کا عشق نہیں بلکہ تخت و تاج کا حصول ہے۔ اسی لیے ان کی اسلام سے وابستگی دن بدن کمزور ہونے لگی اور ساری تگ و دو کا مرکز و محور اقتدار کا حصول بن کر رہ گیا۔ اگر اس اقتدار سے اُن کی غرض اسلام کی سربلندی ہوتی تو وہ دین سے کبھی بھی کسی معاملے میں صرفِ نظر نہ کرتے بلکہ اسے اپنے افکار و اعمال میں زیادہ سے زیادہ اپنانے کی کوشش کرتے تاکہ قوت کے اس اتھاہ خزانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ لیکن محض اقتدار کو مقصد ٹھیرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ہر چیز کو اسی راہ پر قربان کر دیا۔

اسلام اور مسلم سوسائٹی کو اس غلط اندازِ فکر سے جو متعدد نقصانات پہنچے ہیں، ان میں دو غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئے ہیں۔ پہلا نقصان جو اسلام اور مسلم سوسائٹی کو پہنچا وہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کی دولت اور اُن کے ذرائع و وسائل کی بہت بڑی مقدار جسے اسلام کو حیاتِ انسانی کا اصل مقصد قرار دینے کی صورت میں دینِ حق کی سربلندی کے لیے صرف ہونا چاہیے تھا وہ ایک فرد یا گروہ کے مفادات کی پاسبانی میں بے دریغ صرف ہونے لگی۔ حکمرانوں نے معاشرے کی اصلاح پر توجہ دینے کے بجائے اپنا پورا زور دشمنوں کو نیچا دکھانے پر صرف کر دیا اور وہ خزانہ جو قوم کی امانت تھا اُس پر خوشامدیوں اور ضمیر فروشوں کے گروہ پلنے لگے۔ چنانچہ ایک طرف امت کی دولت برباد ہوئی اور دوسری طرف اس کے اندر ضمیر فروشی کا خوفناک اور تباہ کن مرض سرایت کرنے لگا جس نے بالآخر اس کے اجتماعی اخلاق کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

ماضی پر نگاہ ڈالنے کے بجائے اگر آپ دورِ حاضر کی دنیائے اسلام کا معاشی نقطۂ نظر سے جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ممالک جو کبھی سونا اگلا کرتے تھے اور اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے دنیا میں ممتاز تھے آج افلاس کا شکار ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے کہ ڈیلی ٹیلیگراف میں مصر کی معاشی حالت پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے جس میں وہاں کے وزیر اعظم ذکریا محی الدین کی زبانی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ملک کی اقتصادی حالت دن بدن دگرگوں ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف زرِ مبادلہ کے ذخائر تشویشناک حد تک کم ہو چکے ہیں اور دوسری طرف قیمتوں میں بڑی سُرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ غیر ملکی تجارت میں حکومت کو ہر سال بیس کروڑ پونڈ کے لگ بھگ خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے آئے دن نئے محصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عائد کیے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے عوام کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ غیر ملکی قرضے جن کی مالیت ایک ارب پونڈ تک پہنچ چکی ہے ملک کو استعماری طاقتوں کی جکڑ بندیوں میں بُری طرح جکڑ رہے ہیں۔

اس اندوہناک صورتِ حال سے صرف مصر ہی دوچار نہیں بیشتر مسلمان ممالک کو قریب قریب اسی قسم کی پریشانی لاحق ہے۔ اُس کی دولت کا زیادہ حصّہ حکمرانوں کی شخصیت کو نمایاں کرنے پر صرف ہو رہا ہے۔ نشر و اشاعت کے سارے ذرائع ان اصحابِ اقتدار کی مدح سرائی، ان کے کارناموں کو اُچھالنے، اور ان کی غلط پالیسیوں کو صحیح اور برحق ثابت کرنے میں استعمال ہو رہے ہیں اور ان کے ذریعہ قومی تعمیر و ترقی کا جو کام بطریقِ احسن لیا جا سکتا ہے وہ سارا یکسر نظر انداز ہو رہا ہے۔

تخت و تاج کے حصُول کو حیاتِ انسانی کا بنیادی مقصد قرار دینے کی وجہ سے مسلم سوسائٹی کو دوسرا نقصان یہ پہنچا کہ سوسائٹی کے اُونچے طبقوں میں سازشوں اور باہمی رقابتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر وہ فرد جس نے عزّ و جاہ اور دولت کے اعتبار سے اپنے آپ کو اقتدار کے نسبتاً قریب خیال کیا اُس کے مُنہ میں فوراً پانی آ گیا اور اس نے ایک ہی جست میں تخت پر متمکن ہونے کی کوشش کی۔ دوسری طرف وہ حضرات جو تخت پر پہلے سے قابض تھے انہوں نے ہر وقت فضا میں پھیلے ہوئے مختلف خطرات کو سُونگھنے کی کوشش کی۔ انہیں اس بات کی کوئی فکر نہ تھی کہ قوم کا اخلاق بگڑ رہا ہے۔ انہیں اس چیز کی بھی کوئی پروا نہ تھی کہ لوگوں کی معاشی حالت برباد ہو رہی ہے بلکہ انہیں ہمیشہ ایک ہی فکر دامنگیر رہتی کہ ملک کی سیاسی فضا میں کوئی ایسا تموّج رُونما نہ ہو جو اُن کے لیے کسی وقت بھی خطرے کا باعث بن سکے۔ اقتدار کے حریفوں کی اس کشمکش میں عوام کا براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ بیچارے مفت میں اغراض کے ان بندوں کی حرص و آز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بھینٹ چڑھ جاتے۔ مغلوں کے آخری دور میں محلاتی سازشوں کی وجہ سے ملت کا شیرازہ جس بُری طرح سے منتشر ہُوا وہ تاریخ کی کوئی ڈھکی چھپی داستان نہیں بلکہ ایسا المناک سانحہ ہے جس کی یاد ابھی تک مسلمانوں کے سینوں سے محو نہیں ہوئی۔ یہ ان سازشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ملّتِ اسلامیہ کمزور پڑتی گئی اور مغربی اقوام کو اس پر یلغار کرنے کی شہ ملی۔

ماضی میں تو خیر جو کچھ ہُوا وہ تو ہُوا لیکن حال میں بھی صورتِ حال کسی اعتبار سے اطمینان بخش نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پُوری دنیائے اسلام باہمی سازشوں اور رقابتوں کا ایک اکھاڑہ ہے جس میں ہر شخص ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں مصروف ہے۔ جس فرد کا بس چلتا ہے وہ فوج کی مدد سے عوام کی گردنوں پر ان کی منشا اور مرضی کے علی الرغم مسلط ہو جاتا ہے اور پُوری قوم خواہ اس ظلم اور ناانصافی کے خلاف کتنی شدید صدائے احتجاج بلند کرتی رہے۔ وہ اقتدار کے تخت کو چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا بلکہ اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے پر صرف کرتا رہتا ہے۔ اُسے اِس بات کی کبھی فکر لاحق نہیں ہوتی کہ وہ عوام کے دلوں کو مسخر کرنے کی کوشش کرے اس کا سارا وقت عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور اپنے مخالفوں کا زور توڑنے میں صرف ہوتا ہے اِس غرض کے لیے ملک کے وسائل اور اس کی انتظامی مشینری بے دریغ استعمال کی جاتی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ملکی نظم و نسق کے ذمہ دار اصحاب اپنی اصل ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے بجائے اپنی ساری توجہ برسرِ اقتدار گروہ کے تسلّط کو قائم کرنے میں صرف کر دیتے ہیں اس سے ملک کے انتظامی ڈھانچے میں زبردست بگاڑ رُونما ہوتا ہے۔ پھر انسانوں کو جب ایک مدت تک آہنی گرفت میں رکھ کر بے بس بنا دیا جائے تو اُن میں اندرونی طور پر اپنے بنیادی حقوق کے بارے میں ایک عام لاپروائی اور ملکی اور ملّی معاملات کے متعلق نفرت اور بیزاری کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی ملک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل اور فیصلہ کُن چیز رائے عامہ نہیں بلکہ اقتدار ہے اور یہ قوتِ قاہرہ اپنی من مانی کارروائیاں کرنے میں یکسر آزاد ہے اور عوام کو اُن کے منشا کے خلاف اپنی دلپسند راہ پر جبر کے ساتھ چلا سکتی ہے اور وہ بیچارے طاقت کی اس اندھی لاٹھی کے اشارے پر حرکت کرنے پر اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتے ہیں تو اُن کے اندر بالکل فطری طور پر بد دلی اور مایوسی پیدا ہونے لگتی ہے اور وہ امورِ مملکت کے بارے میں بالکل خاموش تماشائی بن کر رہ جاتے ہیں۔ برسرِ اقتدار حضرات عوام کے اس مرض کے تدارک کے لیے قطعاً فکر مند نہیں ہوتے کیونکہ ان کی قوت کا سرچشمہ عوامی تائید نہیں ہوتی بلکہ نوکر شاہی طبقہ ہوتا ہے اس لیے وہ رائے عامہ سے یکسر بے نیاز ہو کر اپنے دل کے ارمان نکالتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حضرات ہر وقت ایسی تدابیر سوچتے رہتے ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ عوام کو ملکی معاملات سے زیادہ سے زیادہ بیگانہ اور بے تعلق رکھ سکیں۔

جو لوگ اس تشویشناک صورتِ حال سے متاثر ہو کر مقتدر ہاتھوں میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں وہ بھی عوام کی مایوسی اور اُن کی بے بسی کو دیکھ کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور اس تبدیلی کے لیے کسی آسان فارمولے یا کسی سستے اور زود اثر نسخے کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں جسے استعمال کر کے وہ جلد از جلد خاطر خواہ نتائج حاصل کر سکیں۔ عوام کی فلاح، اُن کے اخلاقی اور سیاسی مسائل، اُن کے فکری رجحانات ان حضرات کی توجہ کا کبھی مرکز نہیں بننے پاتے۔ وہ بھی انہیں بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ سمجھتے ہیں جن سے اقتدار پر فائز ہونے کے بعد ہر قسم کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ ان کی پریشانیوں کو صحیح طور سے سمجھنے اور ایک اہلِ دل انسان کی طرح انہیں دُور کرنے کے بجائے ان کے احساسات سے کھیلتے ہیں اور ان کی تربیت کر کے انہیں تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانے کے بجائے ان کے جذبات میں مختلف طریقوں سے ہیجان اور اشتعال پیدا کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبات کی یہی متلاطم لہریں انہیں ایک ہی ریلے میں ساحلِ مراد پر پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔

آپ کو اگر عوام کی اس بے بسی کا اندازہ لگانا مقصود ہو تو ماضی کے اوراق اُلٹنے کے بجائے صرف گنی کے حالات پر نگاہ ڈالیں۔ اس سے مسلم ممالک میں عوام کی بے بسی اور بے کسی کی پوری تصویر آپ کے سامنے آجائے گی۔ گنی ۔۔۔ افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کے شمال میں پرتگالی گنی، جنوب میں لائبیریا اور سیرالیون، مشرق میں جمہوریہ مالی اور آئیوری کوسٹ اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہے گنی میں دو تہائی اکثریت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ پھر اس کے اردگرد جتنے ممالک ہیں ان میں بھی صرف لائبیریا کو چھوڑ کر مسلمانوں کی آبادی غیر مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ مثلاً مالی میں ۸۰ فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سیرالیون، گینیا (پرتگالی)، اور آئیوری کوسٹ میں بھی مسلمانوں کا تناسب ۶۶ فیصد سے کسی طرح کم نہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اس خدشہ کا اظہار بھی قطعاً بے بنیاد ہے کہ گنی چونکہ غیر مسلم طاقتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اس لیے اس کا فرمانروا انکرومہ جیسے آمر کے حق میں دست بردار ہونے پر مجبور ہوا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر جب ہم گھانا اور گنی کے معاشرتی اور تاریخی پس منظر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہاں بھی ہم کوئی قدرِ مشترک نہیں پاتے۔ گھانا انگریزی استعمار کے قبضے میں رہا اور اس بنا پر وہاں انگریزی کا دَور دورہ ہے۔ گنی نے فرانس کے تسلط سے نجات حاصل کی ہے اور اس وجہ سے یہاں فرانسیسی زبان کو بالادستی حاصل ہے۔

پھر گھانا کے اس آمر نکرومہ میں بھی کوئی ایسی غیر معمولی صلاحیت نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر گنی میں اس کا وجود کسی خیر و برکت کا موجب ثابت ہو سکتا ہو۔ اس نے گھانا میں عوام پر جو بے پناہ مظالم ڈھائے، اُن کے جذبۂ آزادی اور حُریت کو جس بیدردی کے ساتھ پامال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا اور ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی کو اپنی عیاشیوں میں جس طریق سے صرف کیا اُس کی کسی ایسے شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی جسے انسانی بنیادی اخلاق کا ذرہ برابر بھی پاس ہو۔ یہ شخص خود پرستی کے مرض میں خطرناک حد تک مبتلا تھا۔ اسے ہمیشہ ایک ہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کسی طرح لوگوں کو اپنی ذات کی غیر مشروط اطاعت اور غلامی کے لیے ذہنی اور جذباتی طور پر تیار کیا جائے۔ اس غرض کے لیے اس نے بڑے ہی ناجائز حربے استعمال کیے۔ جس جس شخص کے بارے میں بھی اُسے اپنی مخالفت کا شبہ ہوا اسے جیل میں ڈال دیا۔ ایک سنسرشپ بل کے ذریعہ اُن تمام اخبارات کو بند کروا دیا جو اس کی تعریف و توصیف میں ذرا بھی متامل تھے۔ اس کے اس مطلق العنان رویے سے ملک کی سب سے اونچی عدالت بھی محفوظ نہ تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے چیف جسٹس کو صرف اس لیے برطرف کر دیا کہ اس نے حکومت سے اختلاف کرنے والے تین رہنماؤں کو بے گناہ پاکر قید سے رہائی کے احکام صادر کیے۔ بعد ازاں اس سر پھرے آمر نے یہ اختیار بھی حاصل کر لیا کہ وہ قومی مفاد کے پیشِ نظر عدالتی احکام کو بھی منسوخ کر سکتا ہے چنانچہ اگلے سال ۱۹۶۴ء میں اس نے سپریم کورٹ کے تین ججوں کو کوئی وجہ بتائے بغیر برطرف کر دیا۔

اس شخص کی شاہ خرچیوں کا یہ عالم تھا کہ جب اس نے چند سال پیشتر ملک کی عنانِ اقتدار سنبھالی تو اُس وقت سرکاری خزانے میں پانچ کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر تھے اور اب اسے معزول کرنے کے بعد جب ملک کی مالی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس وقت یہ بدنصیب ملک ایک سو کروڑ ڈالر کا مقروض ہے۔ یہ روپیہ کہاں صرف ہوتا تھا اس کی جو تفصیلات اخبارات میں شائع ہوئی ہیں اُن سے اس آمر کی ملک دوستی کی نہایت گھناؤنی تصویر سامنے آتی ہے۔ اس شخص نے عکرہ میں ایک کروڑ پونڈ کی لاگت سے ایک بم پروف ہال تعمیر کروایا۔ اس کے ذاتی اخراجات پر کتنا روپیہ خرچ ہوتا تھا اس کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تازہ دورۂ چین پر روانہ ہوتے ہوئے یہ شخص پینتالیس ہزار پاؤنڈ کا زرِ مبادلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکاری خزانہ سے اٹھا کر لے گیا۔ اس سلسلہ میں یہ چیز پوری طرح ذہن نشین رہے کہ یہ خطیر رقم اُس کی بالکل ذاتی اور خانگی ضروریات پر خرچ ہوتی تھی کیونکہ اس کا سارا سفر خرچ اس رقم سے الگ سرکاری خزانے سے ادا ہوتا تھا۔

یہ شخص انتہائی عیاش ہے اور اپنی عیاشیوں پر روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے۔ اس نے اپنی ایک داشتہ کو ٹیلیویژن پروگراموں کی افسرِ اعلیٰ مقرر کر رکھا تھا اور اسے ایک اعلیٰ درجہ کی ایئرکنڈیشنڈ امریکی کار لے کر دی جو عیاشی اور تفریح کے لیے استعمال ہوتی رہتی تھی۔

لوگوں کی بہو بیٹیوں کی عفت اور عصمت کو برباد کرنے کے لیے اس آمر کی ہدایت کے مطابق منصوبے تیار ہوتے اور اس کی شہ پر سرکاری غنڈے عوام کی عزت پر بلاخوف وخطر ہاتھ ڈالتے۔ وہ لوگ جنہوں نے سرکاری عہدوں کے حصول اور حکمران کے تقرب کے لیے اپنی غیرت کا خود گلا گھونٹ دیا وہ تو اسی رُخ پر بہ نکلے جس رُخ پر کہ بداخلاقی کا یہ طوفان انہیں بہا کر لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ حضرات جن کے نزدیک عزت وعفت کی کوئی قدر نہ قیمت تھی اور وہ اخلاقی اقدار کو قومی زندگی میں کوئی اہمیت دیتے تھے ان کے لیے یہ باتیں سخت ناقابلِ برداشت تھیں۔ چنانچہ اس آمر کے عہدِ حکومت میں بے شمار ذہین لوگ ملک چھوڑ کر انگلستان اور دوسرے علاقوں میں چلے گئے اور بہت سے فوجی اور سول حکام نے اپنی ملازمتوں کو خیرباد کہہ دیا۔

ایک طرف قوم کے اخلاق اور اس کے ضمیر کا دیوالیہ نکل رہا تھا اور زندگی عوام پر ایک عذاب بن کر مسلط ہو رہی تھی لیکن دوسری طرف حکومت عوام کو برابر یہ باور کرانے میں مصروف تھی کہ ان کا اقبال ترقی پر ہے اور نکروما اُن کے لیے مسیحا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی شخصیت کی برتری کا مصنوعی نقش لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے گھانا کی ڈاک کے ٹکٹوں پر اور ملکی سکوں پر اس آمر کی تصاویر نمایاں ہوتیں، جگہ جگہ اُس کے مجسمے نصب کیے جاتے اور بجلی کے قمقموں کی مدد سے لاکھوں روپے کے صرف کے ساتھ اس کا نام شاہراہوں اور بڑی عمارتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جگمگانے کا انتظام کیا جاتا۔ نوخیز نسلوں کے دل و دماغ میں اُس کے متعلق بڑے ہی باطل تصورات کے نقوش ثبت کیے جاتے۔ چنانچہ یہ معصوم بچے سب صبح خدا اور یسوع مسیحؑ کی حمد و ثنا کا گیت گاتے تو ان دو مقدس ناموں کے ساتھ نکروومہ کا نام بھی شامل کرنے پر مجبور ہوتے۔

جس شخص کا طرزِ فکر اتنا ملحدانہ، جس کا مزاج اتنا آمرانہ اور جس کا طرزِ عمل خود اپنے بھائی بندوں کے ساتھ اتنا ظالمانہ بلکہ سفاکانہ رہا ہو اُسے ایک شخص ایک ایسی مملکت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتا ہے جس کے باشندوں کی عظیم اکثریت اسلام پر ایمان رکھتی ہے۔ پھر معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ مسلمان سپاہ کو اس ظالم کے چھنے ہوئے اقتدار کو اسے واپس دلانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کے گلے کو بھی کسی سمت ہانکتے ہوئے چرواہا اس بات پر غور کرتا ہے کہ کیا جس طرف وہ اس گلے کو لے جانے کا عزم کر رہا ہے وہاں مہیب غار تو نہیں پائے جاتے جہاں ان جانوروں کے گرنے کا خطرہ لاحق ہو۔ کیا وہاں درندے تو موجود نہیں جن سے ان کی زندگی کی حفاظت ناممکن ہو، کیا وہاں گھاس اور پانی مہیا ہو سکتا ہے۔ ایک چرواہا اپنے گلے کو جنگل میں لے کر نکلنے سے پہلے اس نوعیت کی بہت سی باتیں سوچتا ہے اور پھر کہیں کوئی قدم اٹھاتا ہے لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ جن حکمرانوں کو مسلمان ممالک اور مسلم قوم کی سربراہی کا منصب حاصل ہو جاتا ہے انہیں اپنے دینی بھائیوں سے اتنی بھی ہمدردی نہیں ہوتی جتنی کہ ایک چرواہے کو بھیڑوں کے گلے سے ہوتی ہے۔ وہ یونانی دیوتاؤں کی طرح جس طرح چاہتے ہیں انسانوں کی قسمت سے کھیلتے ہیں اور کوئی بڑے سے بڑا قدم اٹھاتے ہوئے قطعاً نہیں سوچتے کہ اس کے نتائج ملک و ملت اور خود اُن کے لیے کتنے تباہ کن ہوں گے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں پوری قوم کی قسمت کا بلا تکلف سودا کر لیتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے مکان کا فرنیچر کسی دوسرے

ے نکروومہ صاحب کی ان ساری کارروائیوں کی تفصیل پاکستان کے اخبارات سے حاصل کی گئی ہے مثلاً جنگ، نوائے وقت، کوہستان، مشرق اور پاکستان ٹائمز۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکان میں منتقل کرتے ہوئے یہ سوچتا ہے کہ کیا یہ مکان اس فرنیچر کے لیے موزوں بھی ہے۔ لیکن شیخ ظہور صاحب نے نکرومہ کو ملک کی باگ ڈور دیتے ہوئے اتنا بھی غور نہیں کیا۔

مطلق العنان ذہنیت رکھنے والے حکمرانوں کے آمرانہ فیصلوں کے جواز میں بعض لوگ یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ عوام کو کیا معلوم کہ ان حضرات کو کس قسم کی مجبوریاں لاحق ہوتی ہیں۔ لیکن یہ دلیل بڑی بودی اور کمزور ہے۔ وہ عوام جو حکمرانوں کے اللوں تللوں کے لیے روپیہ مہیا کرتے ہیں۔ جو اُن کی ہر مصیبت اور پریشانی میں ساری تلخیاں بھلا کر اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ جو اُن کے اشارے پر اپنی جانوں تک کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جن کی ان تھک محنت، جن کے مخلصانہ تعاون، جن کے جذبۂ ایثار اور اطاعت کیشی پر ملک کے حفظ و بقا اور اس کی ترقی کا سارا دارو مدار ہوتا ہے، انہیں کوئی فیصلہ کُن قدم اٹھاتے وقت یکسر نظر انداز کر دینا نہ صرف بہت بڑی عاقبت نا اندیشی ہے بلکہ احسان فراموشی بھی ہے۔ جن لوگوں کے وجود سے کسی مملکت کا وجود قائم ہوتا ہے۔ جن کا اتفاق و اتحاد مملکت کی سالمیت کا ضامن ہوتا ہے۔ جن کا خون پسینہ اس کی تعمیر و ترقی میں گارے کا کام دیتا ہے۔ انہیں۔ ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتے ہوئے نظر انداز کر دینا اور ان کی پسند اور ناپسند کو کوئی اہمیت نہ دینا کسی لحاظ سے بھی دیانتدارانہ روش نہیں کہی جا سکتی۔ جب فیصلہ عوام کی قسمت کا ہو رہا ہو تو سب سے پہلے انہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ان پر کیا بیتنے والی ہے۔

مملکت کی سربراہی کوئی نجی کاروبار نہیں جس کے تجارتی راز افشا ہونے سے منافعوں کی اجارہ داری کو نقصان کا خطرہ لاحق ہو۔ یہ ایک ایسا فرض ہے کہ اس میں جب تک ہر فرد پورے خلوص، احساس ذمہ داری اور خوش دلی کے ساتھ شریک نہ ہو اس وقت تک یہ بخوبی سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس بنا پر اس میں عوام کی خوشدلانہ شرکت انتہائی ضروری ہے۔۔ اور جو لوگ

© rasailojaraid.com

اس کے بغیر امورِ مملکت کو چلانے کا ارادہ کرتے ہیں اُن کے سامنے جلد ہی اپنی اس حماقت کے سنگین نتائج نہایت واضح طور پر آجاتے ہیں۔ جن سربراہوں نے بھی عوام کو اعتماد میں لیے بغیر اور انہیں سلطنت کے معاملات میں شریک کیے بغیر کوئی اقدام کرنا چاہا، انہیں نہ صرف خود شدید ناکامی سے دوچار ہونا پڑا بلکہ قوم اور ملک کو بھی اُن کی اس غلطی کی پاداش میں نہایت بُرے دن دیکھنے پڑے۔ اس آمرانہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی ہٹلر اور مسولینی سے بہتر کون ترجمانی کر سکتا ہے اور ان سے زیادہ اپنے عزائم اور ارادوں میں کون مخلص ہو سکتا ہے لیکن ان کے اخلاص، جذبۂ ایثار، ان کی غیر معمولی جرأت اور بہادری کے باوجود اُن کا اور خود اُن کی قوموں کا جو حشر ہؤا ہے وہ بڑا حسرتناک ہے۔ یہی انجام ماضی قریب میں شاہ فاروق اور چین کے چیانگ کائی شیک کا ہو چکا ہے۔ اور اب گھانا کے نکرومہ اسی انجام کو پہنچے ہیں۔ زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود آخر تاریخ نے اُن کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب ایک ہی ہے کہ ان سب نے قومی امنگوں اور ارادوں کو یکسر نظر انداز کر کے قوم کی قسمت سے کھیلنے کی ناپاک سعی کی اس لیے یہ سارے ایک ہی انجام کو پہنچے۔ انہوں نے قوم کو اعتماد میں لینے کے بجائے پولیس اور فوج کی قوت پر اعتماد کیا اور لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کے بجائے انہیں اندھے بہرے قوانین کی جکڑبندیوں میں جکڑ کر حکومت کرنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ عوام کے دل و دماغ میں نفرت کا شدید جذبہ پیدا ہؤا اور انہوں نے اپنے ان "کرم فرماؤں" سے جلد ہی نجات حاصل کرنے کی سعی کی۔ کسی آمرِ مطلق کا اس سے زیادہ حسرتناک انجام اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو بچے ہر صبح اُس کی تعریف و توصیف میں ترانے گائیں، اُس کے حق میں "عظیم مسیحا" کے نعرے بلند کریں، جگہ جگہ اُس کے نصب کیے ہوئے بتوں کو سلامی دیں، وہ اس کے اقتدار سے محروم ہونے کے ساتھ ہی اس کے بتوں کو روندنا شروع کر دیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ جبر سے جھکی ہوئی گردنیں، ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتی ہیں۔ اور جب انہیں ذرا سا موقع بھی ملتا ہے تو فوراً جبر سے نجات حاصل کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے جد وجہد کرنے لگتی ہیں ۔ اس جد وجہد میں توازن نہیں ہوتا بلکہ برسوں کے گھٹے ہوئے جذبات جوش کو ہوش پر غالب کر دیتے ہیں اور وہ عوام اپنی آزادی کا قرض مع سُود چکاتے ہیں ۔

" رمُوزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند" ایک غیر انسانی نظریہ ہے ۔ یہ اُس غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے جس کے تحت فرمانروا یہ سمجھ کر عنانِ اقتدار سنبھالتا ہے کہ سلطنت اس کی ذاتی ملکیت ہے اور وہ اس بات کا پُورا پُورا حق رکھتا ہے کہ اُس کے ذرائع و وسائل کو ذاتی مفادات کے لیے جس طرح چاہے استعمال کرے ۔ وہ بلاشرکت غیرے پُوری قوم کا مالک ہے ۔ کوئی فرد اُس سے اُس کے کسی طرزِ عمل کے بارے میں باز پرس نہیں کر سکتا وہ اپنی قلمرو کے اندر جو چاہے کرے ، جسے چاہے زندہ رہنے دے اور جسے چاہے زندگی کے حق سے محروم کر دے ۔ اُس سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ غیر مسئول اقتدار کا مالک ہے ۔ وہ اپنی سلطنت کے حدود کے اندر خدائی اختیارات رکھتا ہے ۔ اس کی کبریائی کے سامنے کوئی لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ اُس کا دماغ ہر دوسرے دماغ سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔ اتنا ارفع کہ اُس میں کوئی غلط چیز کبھی راہ نہیں پا سکتی ۔ وہ ہر عیب سے پاک ، ہر خطا سے منزّہ اور ہر خامی سے عاری ہے ۔ اس کی نگاہیں بڑی دُور رس ہوتی ہیں ۔ اس بنا پر عوام بیچارے اُس کی سوچی ہوئی مصلحتوں کو سمجھنے سے یکسر قاصر ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ان کی فلاح کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ امورِ مملکت کی ذمّہ داری فرمانرواؤں پہ ڈال کر ملکی معاملات سے بالکل بے تعلق ہو جائیں اور اقتدار کے تخت سے انہیں جو احکام صادر ہوں انہیں نہ صرف بلا چون وچرا قبول کریں بلکہ پُورے جذبہ و شوق کے ساتھ انہیں بجا لائیں ۔ اُن کی عافیت اسی میں ہے کہ ان خداؤں کی اقلیم میں تسلیم و رضا کے پیکر بن کر زندہ رہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وہ طرزِ فکر ہے جسے انسان نے کبھی صدقِ دل سے قبول نہیں کیا اور جسے ختم کرنے کے لیے انسانیت کے بڑے بڑے ہادیوں، رہنماؤں اور محسنوں نے بھرپور کوشش کی ہے۔ صدیوں کے تجربات نے اس نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے۔ دنیا میں جس شخص یا گروہ نے اس نظریہ کو اپنانے کا ناپاک عزم کیا اُس کا وہی حشر ہوا جو انسانیت کے بہی خواہوں کے ہاتھوں اس نظریہ کے علمبردار خسرو پرویز کا آج سے کئی سو سال پہلے ہوا تھا۔

اس باطل نظریے اور غیر انسانی طرزِ فکر کے خلاف انسانیت کی بغاوت کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ انسان جب تک انسان ہے وہ رضا و رغبت کے ساتھ نہ تو اپنے انسانی حقوق چھوڑنے پر آمادہ ہو سکتا ہے اور نہ وہ کسی دوسرے انسان کو وہ بلند و بالا مقام دینے پر تیار ہوتا ہے جس پر فائز ہو کر وہ اپنے جیسے انسانوں میں اپنی کبریائی کا سکہ چلائے۔ اپنے انسانی حقوق کا غیر معمولی احترام اور انسان کی خدائی سے بغاوت، یہ دونوں باتیں اُس کی فطرت میں شامل ہیں۔ اس نے وقتی مجبوریوں کے تحت بگڑے ہوئے انسانوں کے اس غلط طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو بلاشبہ کبھی کبھی گوارا کیا لیکن اس کی فطرتِ سلیم ہمیشہ اُسے اُن کے خلاف سرگرمِ عمل کرتی رہی اور جب کبھی اُسے ان سے نجات کی راہ نظر آئی تو فوراً اس پر گامزن ہونے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو سب سے پہلے ان جھوٹے خداؤں سے ستائی ہوئی انسانیت نے اُس پر لبیک کہا۔ کیونکہ ان مقدس نفوس کی عافیت میں آنے سے انہیں انسان کی غلامی سے گلو خلاصی اور اپنی کھوئی ہوئی انسانیت کے ملنے کی توقع تھی

© rasailojaraid.com